قائدِ اعظم

محمدؐ علی جناح

قائدِ اعظم

اچھی
کتاب
کا
نکھار
ہمیشہ
قائم
رہتا
ہے

قائد اعظمؒ

م، ع، سلام

آئینۂ ادب۔ چوک مینار۔ انارکلی۔ لاہور

بار پنجم ۱۹۷۰ء
تعداد: گیارہ سو
قیمت

اہتمام
م، ع، سلام، آئینہ ادب
چوک مینار - انارکلی
لاہور

اشرف پریس لاہور

فہرست

پاکستان کے
نونہالوں
کے
نام

قائدِ اعظمؒ کی آواز گونج رہی ہے

"گو میں آپ میں موجود نہیں ہوں گا۔ لیکن آپ دیکھ لیں گے کہ پاکستان چند ہی سال میں دنیا کا عظیم ملک بن جائے گا۔ اُس کی ترقی اور طاقت دنیا کو حیرت میں ڈال دیگی اور دُنیا کا ہر ملک اُس کی دوستی کا خواہاں نظر آئے گا۔

پاکستان قائم ہو چکا ہے۔ اب روئے زمین کی کوئی طاقت اُسے ختم نہیں کر سکتی۔ اگر کبھی جنگ کا وقت آجائے تو پاکستان اس کا یقین رکھتا ہے کہ اس کا ہر شہری اس کی حفاظت اور

سربلندی کے لئے نہ صرف لڑے گا بلکہ اپنا سب کچھ قربان کردے گا۔

خدا کی قسم، جب تک ہمارے دشمن ہمیں اُٹھا کر بحیرۂ عرب میں نہ پھینک دیں، ہم ہار نہ مانیں گے۔ پاکستان کی حفاظت کے لئے میں تنہا لڑوں گا، اس وقت تک لڑوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے۔ مجھے آپ سے کہنا ہے کہ اگر کوئی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لئے جنگ لڑنی پڑے تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں اور پہاڑوں میں، جنگلوں میں، میدانوں میں، اور دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں۔"

قائد اعظمؒ

وہ مردِ جری

یہ ایک ایسے جلیل القدر قائد اور عدیم النظیر شخصیت کی داستان ہے جو دنیائے اسلام کی سب سے بڑی ریاست کے بانی ہونے کے علاوہ اپنی بے مثل فراست، پختہ عزائم، بلند کردار، دیانت و خلوص، جرائت و ہمّت اور حق و صداقت کے اعتبار سے اپنے وقت کے سب سے بڑے انسان تھے۔

وہ جب تک زندہ رہے ایک جری مرد اور خوددار انسان کی طرح جیئے۔ اُن کے نام کے نعروں سے فضائیں معمور تھیں۔ جب رخصت ہوئے تو اس شان سے کہ ان کے جنازے کے سامنے بادشاہوں کا جلال شرما گیا۔ دنیا کے جھنڈے عالمگیر ماتم میں سرنگوں ہو گئے

اور عالم اسلام کی کروڑوں اشکبار آنکھوں نے عقیدت کے اس قدر موتی نچھاور کیے، کہ تاریخ میں مثال نہیں ملتی -

آج قائد اعظم ہمارے درمیان مادی طور پر موجود نہیں لیکن روحانی طور پر وہ ہر پاکستانی اور مسلمان کے دل میں زندہ ہیں - پاکستان کے کسی بھی شہر قصبہ اور قریہ میں سے گزر جائیے، آپ کو ان کی زندگی کا ثبوت مل جائے گا - سرکاری دفتروں، بازاروں اور گھروں میں ہر جگہ اُن کی پُر وقار تصویریں آویزاں نظر آئیں گی اور آپ محسوس کریں گے کہ وہ پاکستانیوں کو شہریوں کی حیثیت سے مُلکی اور ملی فرائض کے متعلق ہدایت کر رہے ہیں اور پاکستان کے شاندار مستقبل کی طرف ان کی رہنمائی فرما رہے ہیں - پاکستان کے سب سے بڑے شہر کراچی میں ان کا مقدس مقبرہ ہے اور یہ وہ متبرک مقام ہے جہاں دن رات، مردوں، عورتوں اور بچوں کا موجب، ہجوم عقیدتمندانہ خاموشی کے ساتھ اپنے والہانہ جذبات اور پُر خلوص دعاؤں کے پھول نچھاور کرتا نظر آتا ہے اور جہاں ہر سال مختلف ممالک کے بادشاہ، بین الاقوامی شہرت

کے سیاستدان ، مدبر، سفیر، فوجی جرنیل ، آزاد قوموں کے نمائندے دنیا کے ہر حصے کے سیاح اور عالمگیر حیثیت کے بڑے بڑے آدمی سلام کرنے حاضر ہوتے ہیں - تاریخ عالم میں ایسا قابلِ رشک احترام بہت کم شخصیتوں کو حاصل ہوا ہے -

"میں آیا - میں نے دیکھا اور میں جیتا "

یہ تاریخی الفاظ جولیس سیزر نے جو اپنے دور کا سب سے بڑا فاتح گزرا ہے ، ایک جنگ کے موقع پر کہے تھے اور اِن الفاظ سے وہ حیرت انگیز تیزی ، طوفانی یلغار اور عظیم کامیابی مراد تھی جو اس نے مشرق وسطیٰ میں اپنے ایک حریف کو زیر کرنے میں دکھائی تھی - مگر اِس رومی جرنیل کے ان الفاظ میں حقیقت کم اور مبالغہ زیادہ معلوم ہوتا ہے - البتہ یہ الفاظ قائداعظمؒ کی عظیم شخصیت پر خوب صادق آتے ہیں - جن کے پاس نہ فوج تھی اور نہ سازوسامان - وہ ایک منتشر قوم میں پیدا ہوئے، جس کے افراد تعلیم میں پس ماندہ اور تجارت میں بے سروسامان تھے اور جن کی حیثیت ہر شعبۂ زندگی میں پٹے ہوئے مہروں کی سی تھی - جہالت

اور غربت کے باعث ضبط و تنظم کا شیرازہ بکھر چکا تھا اور ان نامساعد حالات اور یقین و ایمان کی کمزوری نے ہندی مسلمانوں کی دس کروڑ آبادی کو ہندو کا اقتصادی اجیر اور انگریز کا سیاسی غلام بنا رکھا تھا۔

اِس دوران میں آزادی کی جدوجہد کے لئے تحریکیں پیدا ہوئیں لیکن اندرونی کمزوریوں، ملی خلفشار اور رہنماؤں کی بے تدبیری کے باعث ناکام ہو کر ختم ہو گئیں۔ محرومی کی ان طویل ذلتوں نے مسلمانوں میں جذبۂ خود اعتمادی کو زائل کر دیا تھا اور وہ غلامی اور بے علمی کو اپنی تقدیر سمجھ کر اس پر شاکر ہو بیٹھے تھے۔ ان حالات میں قائداعظم سے یہ توقع رکھی گئی کہ وہ ایسے مسیحا ثابت ہوں، جو صدیوں کے بھٹکے اور بدکے ہوئے انسانوں کو اپنی دلنواز شخصیت سے مسحور کر کے انھیں ایک مرکز پر جمع کر دیں۔ ایسے خطیب ہوں جن کی معجز بیانی مضمحل، شکست خوردہ اور بدگمان قوم کے جمود کو ختم کر کے اس کی رگوں میں حیاتِ نو کی بجلیاں دوڑا دے۔ ایسے جرنیل ہوں جو مسلح حریف کے مقابلہ پر تن تنہا اور بے تیغ نبرد آزما ہو سکیں ایسے محافظ ہوں، جو خواب گراں میں مدہوش لوگوں کو جھنجھوڑ کر آنے

والے خطرات سے بروقت آگاہ کرتے رہیں اور ایسے مدبر اور سیاستدان ہوں، جو اپنی بے پناہ فراست سے شاطر انگریز اور چالاک ہندو کی منصوبہ بندیوں کو خاک میں ملاکر قوم کو اس کے سیاسی موقف تک پہنچادیں۔

اور انھوں نے یہ سبھی کچھ کیا۔ ان کا مقابلہ برطانیہ جیسی عظیم سلطنت سے تھا، ہندو کی ہمہ گیر سازشی فطرت سے تھا۔ اپنوں کی غداریوں سے تھا۔ قوم کی غفلت، انحطاط، انتشار، فقر و فاقہ اور دل و دماغ کی ہولناک پستیوں سے تھا۔ غرض وہ تنِ تنہا اپنی ذات کے سوا ساری دنیا کے مقابل ڈٹ گئے۔ اور اپنی دُھن میں مست، اپنے عزائم میں مضبوط، اپنی خودی میں مستحکم چومکھی جنگ لڑتے رہے اور بالآخر اپنے بے پناہ خلوص، عملِ پیہم اور یقینِ محکم کے باعث مظفر و منصور ہوئے۔ اُنھوں نے انگریز اور ہندو دونوں کو شکستِ فاش دی اور صرف سات برس کی قلیل مدت میں خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر ایک ایسی عظیم مملکت کی بنیاد رکھی، جو دنیا کی پانچویں بڑی اور عالمِ اسلام کی پہلی بڑی مملکت ہے۔

تحریکِ احیائے ملتِ اسلامیہ نے گزشتہ چند صدیوں میں کئی نامور رہنما پیدا کیے۔ لیکن جیسے ہی ان کی زندگیوں کا فسانہ سمٹا، ان کے نقوش پا بھی ان کے ساتھ ہی مٹ کر ناپید ہو گئے اور آج تاریخی داستانوں کے سوا ان کی کوئی یادگار باقی نہیں۔ لیکن قائداعظمؒ کا بلند کیا ہوا ہلالی پرچم، ان کی قائم کی ہوئی عظیم مملکت اور ان کی منظم و مربوط اور جسور و غیور قوم آفتاب کی تابناکیوں اور ستاروں کی جھلملاتی ہوئی چھاؤں میں ہمیشہ زندہ، سربلند اور کامران رہے گی۔

"قائداعظم آئے، قائدِاعظم نے دیکھا اور قائدِاعظم جیت گئے۔"

م۔ع۔ سلام

ولادت

قائداعظم محمد علی جناحؒ ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء بروز اتوار کراچی میں پیدا ہوئے۔ اسی تاریخ کو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی بھی ولادت ہوئی تھی۔ اس لحاظ سے یہ دن عیسائیوں اور مسلمانوں میں یکساں متبرک خیال کیا جاتا ہے۔ قائداعظمؒ نے ۷۲ برس کی عمر پائی اور یہ زندگی اُنھوں نے آخر دم تک بڑے عزم، استقلال خلوص اور وقار سے بسر کی۔ آپ کے والد بزرگوار جناح پونجا چمڑے کے تاجر تھے اور آپ کی والدہ محترمہ

کا نام سکینہ تھا - خاندان خوش حال تھا - اِس لئے آپ کی پرورش
اور تربیت بڑے ناز و نعم سے ہوئی - چونکہ آپ والدین کی پہلی
نرینہ اولاد تھے اس لئے خاندان بھر کے لوگ آپ سے بہت پیار
کرتے تھے -

تعلیم

جب آپ نے ہوش سنبھالا تو آپ کو ایک مکتب میں داخل کیا گیا جہاں قرآن شریف کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اُردو بھی پڑھائی جاتی تھی - آپ ذرا اور پروان چڑھے تو آپ کو مزید تعلیم کے لئے بمبئی بھیج دیا گیا اور یہاں آپ نے گوکل داس پرائمری سکول میں پرائمری پاس کی۔ لیکن یہاں کی فضا آپ کو راس نہ آئی اور ماں کا دل بھی ہر وقت اپنے بچے کی جُدائی میں اُداس رہتا تھا - اِس لئے آپ کو پھر کراچی بلا لیا گیا اور یہاں آپ کو مشن ہائی سکول

داخل کردیا گیا - جب آپ سولہ برس کی عمر میں دسویں پاس کر چکے
تو آپ کے والد کو خیال ہوا کہ انھیں اب اپنے ساتھ کاروبار
میں لگالیں -

لندن کا سفر

اس زمانہ میں آپ کے والد کے ایک مخلص انگریز دوست ہوا کرتے تھے جن کا نام سر فیڈرک کرافٹ تھا - وہ آپ کی ذہانت ذوق و شوق اور عادات و اطوار سے بہت متاثر ہوئے اور اُنھوں نے آپ کے والد کو مشورہ دیا کہ انھیں کاروبار میں شریک کرنے کی بجائے بیرسٹری کی تعلیم کے لئے انگلینڈ بھیج دیا جائے۔ محمد علی جناح خود بھی دل سے یہی چاہتے تھے۔ اس لئے انھیں سولہ برس کی عمر میں لندن جانے کی اجازت دے دی گئی -

۱۸۹۲ء میں محمد علی جناحؒ انگلستان پہنچے اور انھیں بیرسٹری کی مشہور درسگاہ "لنکنز اِن" میں داخلہ مل گیا۔ آپ یہاں بڑی محنت کے ساتھ علم قانون کے مطالعہ میں مصروف ہو گئے۔ لندن اپنی رنگا رنگ دلچسپیوں کے لحاظ سے بڑا مشہور مقام ہے اور انسان وہاں پہنچتے ہی اس کی رنگینیوں میں کھو جاتا ہے لیکن آپ اس طرف ذرا بھی متوجہ نہ ہوئے بلکہ قانون کی تعلیم سے جو وقت بچتا، اُسے برطانوی عجائب گھر کے مشہور کتب خانہ میں صرف کرتے۔ یہاں وہ نامور اور شہرۂ آفاق ہستیوں کی سوانح حیات کا مطالعہ کرتے اور گھنٹوں بیٹھے اپنے مستقبل اور آئندہ زندگی کے بارے میں غور و فکر کیا کرتے۔ بعد میں اُنھوں نے اپنے ایک دوست کو بتایا کہ ان بڑے بڑے لوگوں کی سوانح حیات نے ان کے ذہن کی کایا پلٹ دی اور انھیں خیالات کی بلندی عطا کی۔ آخر ۱۸۹۶ء میں اُنھوں نے امتیاز کے ساتھ بیرسٹری میں کامیابی حاصل کر لی اور صرف بیس برس کی عمر میں قانون دان بن کر اپنے وطن لوٹ آئے۔

سیاسیات سے دلچسپی

زمانہ طالب علمی میں جہاں ان کے دوسرے ہم جماعت تھئیٹر، سیر و تفریح اور دوسرے مشاغل میں وقت صرف کیا کرتے، وہاں محمد علی جناح سنجیدگی سے سیاسی حالات اور واقعات کا جائزہ لیا کرتے۔ وہ ہمیشہ کہا کرتے کہ ہمیں انگلستان میں رہ کر ایک طالب علم کی حیثیت میں وہ سب کچھ حاصل کرنا چاہیے جو انگریزوں نے صدیوں میں حاصل کیا ہے۔ آپ نے قیام انگلستان کے دوران میں بہت سے انگریزوں سے بھی واقفیت پیدا کی اور ان کے طور طریقوں کو

سمجھنے کی کوشش کی۔

انہی دنوں ہندوستان کے ایک بہت بڑے سیاسی مدبر دادا بھائی نوروجی بھی لنڈن میں مقیم تھے اور وہ لنڈن انڈین سوسائٹی کے صدر ہونے کے علاوہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے ہندوستانی طلبا میں بہت ہردلعزیز تھے۔ محمد علی جناح بھی اُن سے جا کر ملے اور بہت متاثر ہوئے۔ دادا بھائی نوروجی بھی تاڑ گئے کہ یہ ذہین نوجوان ایک روز ضرور شہرت کے آسمان پر آفتاب بن کر چمکے گا۔ چنانچہ اُنھوں نے آپ کو سوسائٹی کا سیکرٹری منتخب کر لیا اور یہیں سے آپ کی عملی سیاسیات کا آغاز ہوا۔

ایک دفعہ انگلستان کے وزیر اعظم نے دادا بھائی نوروجی کی سرگرمیوں سے تنگ آ کر کہیں انھیں "کالا آدمی" کہہ دیا۔ حالانکہ دادا بھائی نوروجی اپنی سرخ و سفید رنگت کے لحاظ سے کسی انگریز سے کم نہ تھے۔ اس واقعہ سے ہندوستانی طلبا میں سخت اشتعال پیدا ہو گیا اور محمد علی جناح بھی اس نسلی تعصب کی توہین سے بہت متاثر ہوئے۔ چنانچہ وزیر اعظم انگلستان کو دنداں شکن جواب

دینے کی غرض سے دادا بھائی نوروجی وہاں کی پارلیمنٹ کی ممبری کے لئے کھڑے ہو گئے - محمد علی جناحؒ نے اس معرکے میں دن رات سرگرمی سے حصہ لیا اور الیکشن کے روز وہ انگریزوں کو پکڑ پکڑ کر دادا بھائی نوروجی کے پاس لاتے اور پوچھتے - بھلا بتاؤ تو یہ "کالا آدمی" ہے؟ اور وہ حیرانی سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے - آخر آپ کی کوششیں رنگ لائیں اور دادا بھائی نوروجی اس معرکہ میں کامیاب ہوئے ۔

یہ واقعہ اگرچہ معمولی تھا - لیکن اس نے محمد علی جناح کے دل میں سوئے ہوئے جذبہ کو بیدار کر دیا اور ان کی یہ بیداری آئندہ چل کر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی نجات کا باعث ہوئی - اب جو آپ وطن لوٹے تو نہ صرف محض ایک بیرسٹر تھے بلکہ ایک سیاستدان بھی تھے جن کا دل اپنی پہلی کامیابی پر سرشار تھا -

مراجعت

جب آپ نے کراچی کے ساحل پر قدم رکھا تو آپ کا دل و دماغ سہانی اُمیدوں اور سنہری آرزوؤں سے معمور تھا لیکن جیسے ہی گھر پہنچے تو فضا بدلی پائی۔ والد کی تجارت ختم ہو چکی تھی اور سارا خاندان غربت کی پریشانیوں سے دوچار تھا۔ حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ کوئی اور ہوتا تو گھبرا جاتا۔ مگر محمد علی جناحؒ کی پیشانی پر ذرا سا بل بھی نہ آیا۔ ابھی سفر کی تھکن بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ آپ مشکلات کے مقابلے میں کمر ہمت باندھ کر اُٹھ کھڑے

ہوئے۔

مگر اُس زمانے میں کراچی ایک چھوٹی سی جگہ تھی اور آپ کو اپنی وکالت میں کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ آپ بار بار محسوس کرتے تھے کہ جگہ تنگ ہے اور حوصلہ زیادہ، اِس لئے کسی اور وسیع میدان کی تلاش کرنی چاہئے۔ آخر آپ نے بمبئی کا قصد کیا۔ دوستوں کو اطلاع ہوئی تو اُنھوں نے روکا اور ایک بڑا عہدہ بھی پیش کیا۔ مگر آپ نے کسی قیمت پر اپنا ارادہ ملتوی نہ کیا۔ آپ اپنے عزم میں اتنے پکے تھے کہ ایک بار جو بھی قدم اُٹھا لیتے اُسے کبھی پیچھے نہ ہٹاتے تھے اور یہی وہ بڑی خوبی تھی جس کے سامنے برطانیہ جیسی عظیم سلطنت اور ہندو جیسی چالاک قوم، دونوں مات کھا گئیں۔

نیا میدان

جب آپ بمبئی پہنچے تو جیب میں صرف چند سکّے تھے۔ مگر ہمّتِ مردانہ اور جوش و اُمنگ کی کمی نہ تھی۔ اُمید یہ تھی کہ یہاں پہنچتے ہی مقدمے ہاتھ لگیں گے اور اس قدر آمدنی ہو گی کہ ریل پیل ہو جائے گی۔ مگر ہوا یہ کہ آپ تین برس تک ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ نہ کوئی مقدمہ ملا اور نہ روپیہ ہی ہاتھ آیا۔ مشکلات پہلے سے بھی بڑھ گئیں۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ گھر سے عدالت تک پیدل جاتے اور کبھی جیب میں کرایہ بھی ہوتا

توکفایت شعاری کے خیال سے بس میں سوار نہ ہوتے۔ اس کے باوجود آپ نے ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، مایوس کبھی نہ ہوئے اور اپنے کام میں لگے رہے۔

ایک روز اپنے والد کے ایک دوست کی وساطت سے انھیں بمبئی کے ایڈوکیٹ جنرل مسٹر میکفرن سے جو بڑے شریف، خلیق اور قابل آدمی تھے، ملنے کا اتفاق ہوا اور وہ محمد علی جناح رح کی ذہانت، قابلیت اور خودداری سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے آپ پر اپنی قیمتی اور نایاب لائبریری کے دروازے کھول دیئے حالانکہ اِس سے پہلے کبھی کسی ہندوستانی کو اس لائبریری میں مطالعہ کرنے کی اجازت نہ ملی تھی۔ آپ نے اپنی اس بے کاری کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور ایک بار پھر مستعدی اور سرگرمی سے قانون کا مطالعہ شروع کر دیا اور یہاں تک مہارت حاصل کر لی کہ اس کے بعد جو مقدمہ بھی ہاتھ میں لیا اسے جیت کر چھوڑا۔ جب آپ کی شہرت بڑھی تو بڑے بڑے مقدمات کا تانتا بندھ گیا اور صرف ایک برس کی قلیل مدت میں ملک کے نامور وکلاء میں شمار ہونے لگے۔

کرسیٔ عدالت پر

آپ کی وکالت جاری تھی کہ ۱۹۱۰ء میں مسٹر ہوشنگ دستور پریذیڈنسی مجسٹریٹ تین ماہ کی رخصت پر گئے اور اُن کی جگہ خالی ہو گئی۔ اِس منصب کے لئے جن بیرسٹروں نے درخواستیں دیں، ان میں محمد علی جناحؒ بھی تھے۔ اس زمانے میں حکومت کے نزدیک قابلیت کی اتنی قدر نہیں ہوتی تھی جتنی کہ سفارش اور اثر ورسوخ کی اور آپ اس خیال سے بہت پریشان تھے۔ ایک روز دل میں کیا آئی کہ ایک خالی فٹن کو سامنے سے گزرتے دیکھ کر اس

میں بیٹھ گئے اور سر چارلس محکمۂ عدالت کے افسرِ اعلیٰ کے دروازے پر جا رُکے۔ نہ جان نہ پہچان اور نہ ہی کوئی سفارش پاس تھی، اطلاع کرانے کے بعد اندر جا پہنچے۔

سر چارلس آپ کی ذہانت و فراست کے متعلق پہلے ہی بہت کچھ سُن چکے تھے۔ اُنھوں نے فوراً آپ کا تقرر کر لیا۔ آپ بیرسٹری سے عدالت کی کُرسی پر جا پہنچے۔ آپ نے اِس قابلیت سے اس عہدہ کے فرائض نبھائے کہ عرصہ ملازمت میں مزید تین ماہ کی توسیع ہوگئی اور اس چھ مہینے کی مدت میں آپ نے جو کچھ کمایا، اس سے پچھلے قرضے ادا کئے آئندہ کے لئے کچھ بچایا اور پہلا معمولی سا مکان چھوڑ کر ایک عمدہ سی عمارت میں اُٹھ گئے

پیشکش

جب یہ عارضی ملازمت ختم ہو گئی تو سر چارلیس نے محمد علی جناحؒ کی حیرت انگیز قانونی ذکاوت کی بناء پر انھیں پندرہ سو روپیہ مہینہ پر اسی ملازمت کی دوبارہ پیش کش کی۔ لیکن آپ نے مسکراتے ہوئے یہ کہہ کر اس پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ میں اتنی رقم ایک دن میں کمانے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔ سر چارلس یہ الفاظ سُن کر چونک اُٹھے کیونکہ اُنھیں ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ محمد علی جناحؒ جو چند ماہ پہلے خود ہی اس

ملازمت کے لئے درخواست لے کر آئے تھے، اب یوں اُسے ٹھکرادیں گے۔ آپ نے اپنی خود اعتمادی اور ہمت سے بہت جلد اپنے ان الفاظ کو سچ کر دکھایا اور پندرہ سو روپیہ روزانہ سے بھی زیادہ کمانا شروع کر دیا۔ اِس واقعہ کے دو برس بعد جب سر چارلس کی آپ سے ایک کلب میں دوبارہ ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے آمدنی کا حال پوچھا اور جب آپ نے انھیں اپنی حالت بتائی تو وہ آپ کی ہمت پر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے مجھے بڑی مسرت ہے کہ آپ نے اُس وقت میری پیش کش قبول نہیں کی۔

نئے انداز

اب حالات بہت سدھر گئے تھے ۔ تنگدستی اور پریشانی
کے دن ختم ہو چکے تھے ۔ کامیابی قدم قدم پر نصیب ہو رہی تھی
بمبئی کے قانونی حلقوں میں پورا سکہ جم چکا تھا ۔ چنانچہ اب آپ
پرانے مکان کو چھوڑ کر تاج محل ہوٹل کے قریب ایک عمدہ سے
فلیٹ میں منتقل ہو گئے ۔ ایک شاندار گھی بھی خرید لی ۔ نوکر
چاکر بھی رکھ لئے ۔ لیکن کچھ مدت بعد آپ نے پھر محسوس کیا کہ ان
کے بلند حوصلوں کے لئے بمبئی کا میدان بھی تنگ ہے ۔ چنانچہ

آپ سنہ ۱۹۳۰ء میں انگلستان چلے گئے اور وہاں چار سال تک پریوی کونسل میں بیرسٹری کرتے رہے۔ ان چار برسوں میں اپنی غیر معمولی قانونی قابلیت، بے مثل ذہانت اور بے پناہ قوتِ استدلال سے ولایت کے اونچے حلقوں میں ایک خاص مقام پیدا کر لیا۔

خانہ آبادی

محمد علی جناحؒ کی پہلی شادی لندن جانے سے پہلے سولہ برس کی عمر میں ہوئی، چونکہ اس میں ان کی پسند کو دخل نہ تھا۔ اِس لئے عام طور پر جبریہ شادیوں کی طرح یہ بھی کامیاب نہ ہوئی۔ لندن سے واپسی پر خاندان کی بگڑی ہوئی حالت کے باعث فکرِ معاش میں آپ کو اس قدر مہلت ہی نہ ملی کہ اپنی ازدواجی زندگی کے متعلق کچھ سوچتے۔ اب جو حالات کا رُخ پلٹا تو اپنی خانہ آبادی کا بھی خیال آیا۔ لیکن اس مرتبہ وہ چاہتے تھے کہ کسی ایسی خاتون

کو رفیقۂ حیات بنائیں جو صورت، سیرت خیالات اور عادات و اطوار غرض ہر پہلو سے انھیں پسند ہو۔ آخر قدرت نے یہ موقع بھی مہیا کر دیا۔

سنہ ۱۹۱۶ء میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے سالانہ اجلاس بمقام لکھنؤ منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ کی صدارت محمد علی جناح کر رہے تھے اور کانگریس کی قیادت کا سہرا بھی ان کے سر بندھا ہوا تھا۔ ان اجلاس میں بمبئی کے مشہور متمول و ممتاز پارسی سر ڈنشا پیٹیٹ کی صاحبزادی مس رتن پیٹیٹ بھی شامل تھیں۔ سولہ برس کی عمر لیکن تیز نظر، حاضر دماغ، سلجھے ہوئے خیالات، عمدہ ذوق اور اعلیٰ تعلیم سے آراستہ تھیں۔ اُنھوں نے جب محمد علی جناحؒ کی رواں اور شستہ تقریریں سُنیں اور اُن کی وجیہہ شخصیت کو پرکھا تو بے حد متاثر ہوئیں اور انھوں نے اپنے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ وہ محمد علی جناحؒ کو اپنا سرتاج بنا کر رہیں گی اور اس واقعہ کے دو برس بعد مس رتن کے قبولِ اسلام پر دونوں کی شادی ہو گئی۔

پارسیوں نے جب یہ سُنا تو اُن میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ شادی

پر تو زیادہ اعتراض نہ تھا لیکن وہ مس رتن کی تبدیلیٔ مذہب کو برداشت نہ کر سکے چنانچہ اُنھوں نے محمد علی جناحؒ پر اغوا کا جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا اور قتل تک کی دھمکیاں دیں۔ لیکن آپ اِس مخالفت کو ذرا بھی خاطر میں نہ لائے۔ آخر جب ہائی کورٹ میں مقدمہ پیش ہوا تو جج نے جو خود بھی پارسی ہونے کے باعث اس شادی کے خلاف تھا۔ محمد علی جناح سے پوچھا۔ "آپ اس خاتون کے پیچھے کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ کیا صرف اِس لئے کہ وہ لاکھوں روپے کی وارث ہے"؟

آپ نے بپھر کر جواب دیا۔ "اس کا جواب خود رتن سے لیجئے"۔ اور اس وفا شعار اور ثابت قدم خاتون نے آگے بڑھ کر جو جواب دیا اُس پر ہر عورت فخر سے اپنا سر اونچا کر سکتی ہے۔ اُنھوں نے کہا "مجھے اپنے شوہر سے محبت ہے۔ میں نے خوشی سے اسلام قبول کیا ہے، رہا مال و دولت کا معاملہ تو اس کی نہ مجھے ضرورت ہے اور نہ میرے شوہر کو"۔

اس پر محمد علی جناح باعزت طور پر بری کر دیئے گئے۔ لیکن

محبت کی یہ دُنیا اور مسرتوں کی جنت زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکی ۱۹۲۹ء میں بیگم جناح اچانک بیمار ہوئیں اور پھر طویل علالت کے بعد اپنے محبوب سرتاج کو ہمیشہ کے لئے داغِ مفارقت دے گئیں۔ محمد علی جناحؒ کے دل پر جو کچھ گزری اس کا اثر آخر دم تک رہا۔ بہار خزاں میں اس طرح بدلی کہ پھر لوٹ کر نہ آئی خوشیوں اور مسرتوں کے چراغ بجھ گئے، اور سارا گھر ویران ہو گیا۔ آپ نے اس کے بعد پھر کوئی شادی نہیں کی۔ اس موقعہ پر آپ کی وفاشعار بہن مس فاطمہ جناح آگے بڑھیں اور انھوں نے گھر کے سارے انتظام اور بھائی کی خدمت اپنے ذمے لے لی۔ بہن کو بھائی سے قدرتی محبت تھی۔ مس فاطمہ جناح نے زندگی بھر اِس خیال سے شادی نہیں کی کہ مبادا وہ اپنے بھائی کی خدمت سے محروم ہو جائیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بہن کی یہ قربانی اپنے بھائی کی عظمت کو دوچند کر گئی۔

میدانِ عمل

محمد علی جناحؒ نے جب سیاست میں قدم رکھا تو اس وقت آل انڈیا کانگریس کے علاوہ کوئی اور ایسی جماعت نہ تھی جو ملک کی آزادی کے لئے کوشاں ہوتی۔ چنانچہ آپ ۱۹۰۰ء میں کانگریس میں شریک ہو گئے اور ۱۹۰۶ء میں دادا بھائی نوروجی صدر کانگریس نے آپ کو اپنا پرائیویٹ سیکرٹری مقرر کر لیا۔ اسی سال کانگریس کا سالانہ اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا اور آپ نے پہلی مرتبہ پبلک پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر تقریر کی۔ اس وقت آپ کی عمر

صرف بیس برس تھی۔ لیکن آپ شیر کی طرح گرجے اور فصاحت کے ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ بڑے بڑوں نے آپ کے دلائل کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا اور آپ کی چاروں طرف دھوم مچ گئی اب آپ اس حد تک مقبول ہو چکے تھے کہ جب ۱۹۰۹ء میں ہندوستان کی امپیریل لیجسلیٹو کونسل (مجلس قانون ساز) کا انتخاب ہوا تو آپ بمبئی کے حلقہ سے بلا مقابلہ منتخب ہو گئے۔ اور اس کے بعد آپ نے ہندوستان کی مرکزی قانون ساز اسمبلی میں جس بے باکی، جسارت، قابلیت اور حب الوطنی سے ملک کی چالیس سال تک بے لوث خدمت کی۔ اُس کی مثال نہیں ملتی۔ آپ جب اسمبلی میں تقریر کرنے کھڑے ہوتے تھے تو آپ کی آواز کی گونج اور بیان کی ساحری طلسم باندھ دیتی تھی اور سب حاضرین حیرت سے بُت بن جاتے تھے اسمبلی میں عوام اور ملک کے مفاد کے لئے جو بل بھی پیش ہوا آپ نے اس کی سرگرمی سے حمایت کی اور اُسے پاس کرا کے چھوڑا اور اس معاملے میں آپ نے کبھی حکومت کی بھی پروا نہ کی اور جب بھی کبھی ٹکر ہوئی اُسے جھکنے پر مجبور کر دیا۔

نڈر شخصیت

قدرت نے قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی شخصیت کو وہ تمام اوصاف عطا کئے تھے جو ایک جلیل القدر رہنما کے لئے ضروری ہوتے ہیں - آپ بے انتہا صاف گو تھے - ہمیشہ حق کی حمایت پر تلے رہتے اور کسی سے ڈرتے نہ تھے - آپ اپنے اصولوں کے اتنے پابند تھے کہ یہ ممکن تھا پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائے مگر آپ اپنے مقام سے ذرا نہ ہٹتے تھے - مال و دولت کا لالچ، کسی زبردست قوت کا خوف اور خوشامد و چاپلوسی، غرض کوئی چیز آپ کو خرید نہ

سکتی تھی۔

ایک مرتبہ وہ بمبئی ہائیکورٹ میں ایک فرعون مزاج جج کے سامنے اپنے کسی مؤکل کے مقدمے کی پیروی کر رہے تھے کہ اُس نے اپنی تنک مزاجی سے جھنجھلا کر کہا۔ "مسٹر جناح! آپ کو عدالت کے آداب کا پُورا پُورا خیال رکھنا چاہیے۔ یہ ایک جج کی عدالت ہے کسی ادنیٰ مجسٹریٹ کی نہیں۔" آپ نے فوراً جواب دیا۔ "جناب کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں بھی کوئی ادنے بیرسٹر نہیں ہوں۔" اور حاضرین پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا۔

محمد علی جناحؒ کے لارڈ ولنگڈن سے معرکے تو خاص طور پر مشہور ہیں۔ ان دنوں لارڈ ولنگڈن صوبہ بمبئی کے گورنر تھے اور وہ اپنی سخت طبیعت اور بد مزاجی کی وجہ سے ہندوستان کے تمام گورنروں سے اکھڑ سمجھے جاتے تھے۔ پہلی جنگِ عظیم زوروں پر تھی اور جرمن فوجیں انگریزوں کو ہر محاذ پر شکست دے کر آگے بڑھ رہی تھیں۔ اِن حالات کے ماتحت لارڈ ولنگڈن نے ایک جلسہ بُلایا۔ جس میں تمام بڑے بڑے لوگوں اور ہندوستانی

رہنماؤں کو شریک ہونے کی دعوت دی تاکہ جنگی سرگرمیوں کے لئے ہندوستانیوں کی امداد و تائید و حمایت حاصل کی جاسکے۔ جب جلسہ شروع ہوا تو لارڈ ولنگڈن نے مشہور لیڈر مسٹر تلک کو تقریر کرنے کے لئے کہا۔ ابھی وہ چند فقرے بھی کہہ نہ پائے تھے کہ لارڈ مذکور نے اختلاف کی بنا پر پلیٹ فارم سے نیچے اُتار دیا۔ اِس توہین نے سب لوگوں کو متاثر اور پریشان کر دیا۔

اب لارڈ ولنگڈن نے محمد علی جناحؒ کو تقریر کے لئے طلب کیا۔ انھوں نے وہ تمام کھری کھری باتیں جو مسٹر تلک کہنا چاہتے تھے، اس خوبی اور جرأت سے بیان کیں کہ لارڈ ولنگڈن ان کا منہ دیکھتے رہ گئے۔ لارڈ ولنگڈن نے انھیں تقریر کے دوران کئی بار ٹوکا بھی اور اس پر دونوں میں نوک جھونک بھی ہوئی لیکن محمد علی جناح اپنی تقریر ختم کر کے ہی پلیٹ فارم سے اُترے۔

لارڈ ولنگڈن کے اس توہین آمیز رویّے سے بمبئی کے سارے لوگوں میں غم و غصّہ کی لہر دوڑ گئی اور اُنھوں نے اِس واقعہ کی مذمت میں ایک بڑا جلسہ منعقد کیا، جس میں تقریر کرتے ہوئے محمد علی جناحؒ

نے حکومت کی حکمت عملی پر کڑی نکتہ چینی کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ جس جلسہ کی صدارت لارڈ ولنگڈن کریں گے ہم اس میں شریک نہیں ہوں گے ۔ پھر لارڈ ولنگڈن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "تم قوم کے ساتھ کھیل رہے ہو ، اسے بیوقوف بنا رہے ہو۔ تم ہرگز مخلص نہیں ۔ تمہارا رویہ ، تمہاری پالیسی اور تمہارا طرزِ عمل سب غلط ہیں" دریا میں رہ کر مگرمچھ سے بیر اسے کہتے ہیں ۔ لیکن لارڈ ولنگڈن کو ہمت نہ ہوئی کہ وہ محمد علی جناحؒ کے خلاف کوئی کارروائی کرتے ۔

ابھی اس واقعہ کی یاد تازہ تھی کہ لارڈ ولنگڈن کی گورنری کی میعاد ختم ہو گئی ۔ خوشامدی طبقہ نے اس موقعہ پر لارڈ ونگڈن کو الوداعی ضیافت دینا چاہی اور شہر کے ٹاؤن ہال میں اس کی تیاریاں شروع کر دیں ۔ محمد علی جناحؒ کو جب اس کی خبر ملی تو انھوں نے مخالفت کی ٹھان لی اور اپنے ساتھیوں سمیت وقتِ مقررہ سے کئی گھنٹے پہلے دروازے پر جا کھڑے ہوئے ۔ جب دروازہ کھلا تو سب سے پہلے جو شخص ہال میں داخل ہوا وہ محمد علی جناح تھے ۔ اس پر جلسہ کے منتظمین نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو

آخری نشستوں پر بٹھانا چاہا۔ لیکن آپ بپھر گئے اور للکار کر کہا:
"ہم سب سے پہلے ہال میں آئے ہیں، اس لئے سب سے آگے بیٹھیں گے۔" یہ تیور دیکھ کر کسی کو دوبارہ ٹوکنے کی جرأت نہ ہوئی۔

شام تک ہال کھچا کھچ بھر گیا۔ اور جب جلسہ کی کارروائی شروع ہونے لگی تو ان کی پارٹی نے شرم! شرم کے نعروں سے سارا ہال سر پر اٹھا لیا۔ باہر پُرجوش لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا جسے بیگم جناح اور ان کا رضا کار دستہ قابو کئے ہوئے تھا اور محمد علی جناحؒ کی رہنمائی میں احتجاج کا ایک قیامت خیز شور جاری تھا جس کے سبب جلسہ منعقد کرنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ ایسے عالم میں لارڈ ولنگڈن تو کیا آتے، پولیس کی ایک مسلح گارد نے لوگوں سے ہال خالی کرانا شروع کر دیا۔ اور اس سختی سے کام لیا کہ محمد علی جناح اور ان کے کئی ساتھی مجروح ہو گئے۔

جب آپ ہال سے باہر نکلے تو لوگوں کے ایک عظیم الشان مجمع نے اپنے نڈر اور دلیر رہنما کو کندھوں پر اٹھا لیا۔ رات کو

بمبئی کے شہریوں نے محمد علی جناح کے اعزاز میں ایک شاندار جلسہ منعقد کیا جس میں اس زمانہ کے مشہور اخبار نویس سید حسین نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ " آج کے معرکہ میں مسٹر جناح نے جس شان و شوکت سے حصہ لیا، وہ شاندار قیادت کی ایک حیرت انگیز مثال ہے اور یہ مثال صرف بمبئی ہی کے لئے نہیں بلکہ سارے ہندوستان کے لئے باعثِ فخر ہے۔" پھر لوگوں نے روپیہ جمع کیا اور اس کارنامے کی یاد میں "جناح میموریل ہال" تعمیر کیا جو آج تک بمبئی میں قائم ہے۔

اس واقعہ کے کئی سال بعد جب لارڈ ولنگڈن وائسرائے بن کر دوبارہ ہندوستان آئے تو محمد علی جناحؒ کی عزت اور خودداری نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ یہاں ٹھہریں۔ چنانچہ وہ انگلستان چلے گئے اور جب تک لارڈ ولنگڈن وائسرائے رہے، واپس نہ آئے۔

ایسے تھے ہمارے قائداعظم

کانگریس سے علیحدگی

مسٹر محمد علی جناحؒ کانگریس میں رہتے ہوئے بھی مسلمانوں کے مفاد اور حقوق کے نگہبان تھے۔ اِس لئے وہ مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں بھی دلچسپی لیتے رہتے تھے۔ آپ کی یہ انتہائی آرزو رہی کہ ہندو اور مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں تاکہ ملک کی تحریکِ آزادی کو زیادہ سے زیادہ تقویت پہنچے۔ آپ کی کوششوں سے ۱۹۱۵ء سے ۱۹۲۰ء تک مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کے سالانہ اجلاس ایک

ہی وقت پر منعقد ہوتے رہے۔ آپ اس زمانے میں دونوں جماعتوں کے رُکن تھے۔ دونوں قوموں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کی جدوجہد نے آپ کو ملک میں اس قدر مقبول بنا دیا کہ لوگوں نے آپ کو "سفیرِ اتحاد" کا لقب دے دیا۔

۱۹۱۶ء میں آپ کی کوششوں سے مسلم لیگ اور کانگریس میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے مسلمانوں کے جداگانہ انتخاب کے مطالبہ کو تسلیم کر لیا گیا۔ ۱۹۱۷ء میں آپ نے گورنمنٹ برطانیہ کے پاس ہندوستان کے لئے حکومت خود اختیاری کی تجاویز پر مشتمل ایک منشور بھیجا، جو کانگریس کی مخالفت کے باوجود منظور ہو گیا اور ۱۹۱۹ء میں اسے قانون کی شکل مل گئی۔ اس پر کانگریس نے اس قانون کی مخالفت کرنے کی ٹھانی اور اس غرض کے لئے ۱۹۲۰ء میں بمقام ناگپور اپنا اجلاس بلایا۔ مسٹر گاندھی کی تجویز تھی کہ حکومت سے کسی بھی معاملہ پر تعاون نہ کیا جائے۔ سرکاری ٹیکس بھی ادا نہ کئے جائیں اور یہاں تک کہ تمام ہندوستانی ملازمین بھی اپنی ملازمتوں سے استعفیٰ دے دیں۔ لیکن محمد علی جناحؒ اس تجویز کے خلاف تھے۔ وہ خدا داد

تدبر کی بدولت جانتے تھے کہ یہ تحریک کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اس کے علاوہ مسلمان جو پہلے ہی زندگی کے ہر شعبہ میں دوسروں سے پیچھے تھے، بالکل تباہ ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس آپ کا خیال تھا کہ اگر اس تحریک کو بتدریج آئینی طریق پر چلایا جائے تو اس سے حصولِ آزادی کی جدوجہد کو زیادہ فائدہ پہنچے گا۔ چنانچہ کانگریس کے بھرے اجلاس میں آپ واحد رہنما تھے، جنہوں نے مسٹر گاندھی کی عدم تعاون اور ترک موالات کی اس تجویز کی شدید مخالفت کی، اور جب اس کے باوجود یہ پاس ہو گئی تو آپ اصولی اختلاف کی بنا، پر کانگریس سے علیحدہ ہو گئے۔ آپ جب تک بھی کانگریس میں شریک رہے، اسے ایک ہزار روپیہ ماہوار کی مالی امداد دیتے رہے۔

آئینی جنگ

آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ محمد علی جناح صاحب کر چکے تھے۔ مسٹر گاندھی کی تحریک ناکام ہو گئی اور ناکامی سے دونوں قوموں میں بدگمانیاں پھیل گئیں۔ دراصل ہوا یہ کہ جب ہندوؤں نے دیکھا کہ انگریزی حکومت کے سامنے ان کی ایک نہیں چلتی تو انھوں نے اپنی خفت مٹانے کے لئے مسلمانوں کو اپنے غصّے کا شکار بنانا شروع کر دیا ان کے مشہور متعصب لیڈروں پنڈت مالویہ اور سوامی شردھانند کی شدّھی (یعنی مسلمانوں کو ہندو بنانا) سنگٹھن (انھیں

ہندو بنا کر ہندو قوم میں شامل کرنا) اور گاؤ رکھشا (گائے کو ذبح ہونے سے بچانا) جیسی امن دشمن اور نفرت انگیز تحریکوں نے سارے ملک کی فضا خراب کر دی جس سے جگہ جگہ بلوے اور فسادات شروع ہو گئے۔ محمد علی جناحؒ نے چار سال تک دونوں قوموں کو گلے ملانے کی انتہائی کوشش کی۔ چنانچہ ۱۹۲۶ء میں آپ نے مفاہمت کے لئے چند تجاویز بھی پیش کیں جس کے جواب میں کانگریس نے "نہرو رپورٹ" کے نام سے ایک یادداشت مرتب کی مگر اس میں مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات کا پورا پورا خیال نہ رکھا گیا تھا اس لئے آپ نے اس میں کچھ ترمیمیں کرنی چاہیں مگر کانگریس اس پر تیار نہ ہوئی اور اس نے یہ رپورٹ منظوری کے لئے حکومت برطانیہ کو بھیج دی۔

کانگریس کی اس بے تدبیری سے مسلمانوں میں پھر بے اطمینانی کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ آپ نے اب حکومت برطانیہ کو یہ تجویز پیش کی کہ آپس کے اختلافات کو دور کرنے کے لئے لندن میں ایک گول میز کانفرنس طلب کی جائے، جسے برطانیہ نے منظور کر لیا،

مگر جب ۱۹۳۰ء میں دونوں قوموں کے لیڈروں کی گول میز کانفرنس طلب کی گئی تو کانگریس نے اس میں شریک ہونے سے انکار کر دیا۔ لیکن ۱۹۳۱ء میں جب یہ کانفرنس دوبارہ طلب کی گئی تو کانگریس کی طرف سے مسٹر گاندھی نے شرکت کی۔ اس موقع پر محمد علی جناحؒ نے مسلمانوں کے مطالبات کو اس خوبی اور قابلیت سے پیش کیا کہ برطانوی حکومت کو یہ سارے مطالبات تسلیم کرنے پڑے۔

مسلم لیگ میں شرکت

۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۴ء تک محمد علی جناحؒ انگلستان میں مقیم رہے اور وہاں پریوی کونسل میں پریکٹس کرتے رہے۔ اس دوران مشہور رہنما مولانا محمد علی جوہرؒ کی اچانک وفات نے مسلمانوں کو بے سہارا کر دیا اور ان کی رہنمائی کرنے والا کوئی نہ رہا۔ آخر ۱۹۳۳ء میں مسلمانوں کا ایک نمائندہ اجتماع ہوا جس میں متفقہ فیصلہ ہوا کہ مسلم لیگ کو از سر نو استوار کیا جائے اور محمد علی جناحؒ کو دعوت دی جائے کہ وہ اس کی قیادت قبول کر کے امت مرحومہ

کی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچائیں۔

جب واپس ہندوستان آئے تو آپ نے مسلم لیگ کی از سرِ نو تنظیم شروع کی اور اس جوش، سرگرمی، انہماک اور خلوص و ہمت سے کام کیا کہ مسلمان جو برسوں سے سیاسی اور مذہبی فرقہ بندیوں میں الجھ کر پراگندہ ہو رہے تھے، اب ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور ان کے مردہ ولولوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ ۱۹۳۴ء میں آپ مسلم لیگ کے مستقل صدر منتخب ہوئے۔ اسی سال آپ بلا مقابلہ مرکزی اسمبلی کے رکن بھی منتخب ہو گئے۔

گول میز کانفرنس کے بعد حکومت برطانیہ نے ہندوستانیوں کو حکومت خود اختیاری منتقل کرنے کے لئے انڈیا ایکٹ کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ یہ موقع ایسا تھا کہ محمد علی جناحؒ نے پھر محسوس کیا کہ دونوں قومیں اپنی بہتری کے لئے سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایک دوسرے کے جائز حقوق اور مناسب شرطیں تسلیم کر لیں لیکن ہندو لیڈروں نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرا۔ اس کے بعد جب ملک

میں انتخابات ہو چکے تو آپ نے کانگریس کے سامنے پھر یہ تجویز رکھی کہ صوبوں میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں مل کر وزارتیں بنائیں تاکہ دونوں قوموں کی مناسب نمائندگی سے ملک کی ترقی کے لئے تعمیری کام انجام پا سکے۔ لیکن کانگریس نے اسے بھی نہ مانا اور پنڈت نہرو نے نشۂ اقتدار میں یہاں تک بڑ ہانک دی کہ ملک میں صرف دو جماعتیں ہیں۔ ہندو اور برطانیہ۔ تیسری جماعت کوئی نہیں۔ لیکن آپ نے سختی کے ساتھ اس کی تردید کی کہ ان دو جماعتوں کے علاوہ ایک تیسری جماعت بھی ہے اور وہ ہے مسلمان قوم۔

اب آپ نے یہ محسوس کیا کہ جب تک مسلمان ایک زندہ، خود دار اور طاقتور قوم نہ بنیں، ہندو اس کی بات نہ سنیں گے۔ اب آپ نے پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی سے مسلمانوں کو منظم کرنا شروع کر دیا اور جب ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تو اس کی کایا ہی پلٹ چکی تھی۔ پہلے وہ جاہ پرستوں، خود غرضوں اور خواص کی جماعت تھی جس کے دروازے عام مسلمانوں

پر بند تھے۔ لیکن اب ہر مسلمان دو آنے سالانہ چندہ دے کر اس کا رکن بن سکتا تھا اور اس کے انتخابات میں حصہ لینے کا حق رکھتا تھا۔ پہلے مسلم لیگ ایک بے روح جماعت تھی، جس کے پاس کوئی تعمیری پروگرام نہ تھا، نہ مخلص کارکن تھے لیکن اب جمہوری جماعت بن جانے سے اس کا نصب العین بھی بلند ہو گیا اور بے غرض کارکنوں کی بھی کمی نہ رہی۔ گویا ایک مختصر سی مدت میں یہ جماعت ہندی مسلمانوں کی سیاسیات کا سب سے بڑا مرکز بن گئی۔

اس ترقی کا یہ اثر ہوا کہ سیاسی موقف میں بھی ایک بڑی انقلابی تبدیلی آ گئی۔ پہلے چند سیاسی تحفظات اور حکومتِ خود اختیاری تک مطالبات محدود تھے۔ لیکن ۱۹۳۷ء میں بمقام لکھنؤ محمد علی جناحؒ کی صدارت میں مسلم لیگ کا جو سالانہ اجلاس ہوا، اس میں مکمل آزادی کو اپنا نصب العین قرار دیا گیا۔ اس کے بعد بنگال اور پنجاب کی وزارتی جماعتیں بھی آپ کی قیادت کے زیر سایہ آ گئیں اور مسلم لیگ کانگریس کے ہم پلّہ ملک کی ایک تیسری بڑی قوت بن گئی۔

اس دوران میں کانگریسی وزارتوں نے اقلیتی صوبوں میں مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑے اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ کانگریس نے برسرِ اقتدار آتے ہی سب سے پہلے اُردو زبان کو بدلنا چاہا۔ مسلم طلبا کو مجبور کیا کہ وہ مسٹر گاندھی کی تصویر کی پوجا کریں اور کانگریسی جھنڈے کو سلامی دیں، بندے ماترم کے مشرکانہ گیت کو قومی ترانہ قرار دے کر مسلمانوں سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اُسے خدا کی حمد و ثنا کی بجائے اختیار کریں۔ صرف یہی نہیں بلکہ شدھی کی تحریک کو سیاسی بنیادوں پر دوبارہ زندہ کیا گیا۔ مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں، کاروبار اور دوسرے شہری حقوق سے زبردستی محروم کرنے کی کوشش کی گئی اور جب اس سے بھی اطمینان نہ ہوا تو ان پر جھوٹے مقدمے چلا کر انھیں جیلوں میں بند کر دیا گیا۔ ان کے گھر لوٹ لیے گئے اور بلوے کر کے قتل و غارت کا نشانہ بنایا گیا۔ ان واقعات سے مسلمانوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

محمد علی جناح نے بار بار سخت احتجاج کیا۔ آخر جب سنہ ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگِ عظیم کے آغاز پر کانگریسی وزارتیں برطانوی حکمتِ عملی

کے خلاف مستعفی ہو گئیں تو ہندوستان کے سارے مسلمانوں نے
مل کر "یوم نجات" منایا۔

منزل کی طرف

یہی وہ زمانہ تھا جب محمد علی جناح ؒ نے یہ بات پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ محسوس کی کہ ہندو جیسی تنگ نظر اور متعصّب قوم کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔ جب مسلمان ہر اعتبار سے ایک الگ قوم ہیں تو کیوں نہ وہ ایک الگ خطّۂ زمین پر جہاں ان کی اکثریت ہے، اپنی علیحدہ حکومت قائم کریں۔ چنانچہ اس احساس کے پیشِ نظر آپ نے ملک کے مختلف حصّوں کے دورے کئے اور ہر جگہ پہنچ کر مسلم لیگ کمیٹیوں کی تنظیم کی اور

مسلمانوں کو آنے والے خطرات سے آگاہ کر کے انھیں اتحاد، یقین اور عمل کا پیغام دیا۔ دراصل یہ ایک آئندہ بڑے معرکے کے لئے تیاری تھی جس سے مسلمانوں کو گزرنا تھا اور جس کا ابھی تک واضح اعلان نہیں کیا گیا تھا۔

آخر وہ وقت بھی آ پہنچا۔ ۱۹۴۰ء میں محمد علی جناحؒ کی زیرِ صدارت لاہور میں مسلم لیگ کا تاریخی سالانہ اجلاس منعقد ہوا، جس میں پہلی بار پاکستان کی قرارداد پیش کی گئی۔ اس قرارداد کا منظور ہونا تھا کہ ہندو ایوانِ سیاست میں تہلکہ مچ گیا اور ہندو پریس نے مخالفت میں آسمان سر پر اٹھا لیا۔ اور تو اور خود مسلمانوں میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو پاکستان کے نصب العین کو شک و شبہہ کی نظر سے دیکھتے تھے اور اسے ایک سیاسی سودا بازی سے زیادہ اہمیت نہ دیتے تھے۔ اس اجلاس میں قوم نے پہلی مرتبہ اپنے محبوب رہنما کو "قائد اعظم" کا لقب دیا۔

قائد اعظم نے ہمت نہ ہاری۔ وہ ہندو مخالفت کے سیلاب کے سامنے چٹان کی طرح ڈٹ گئے اور ایسے مسلمانوں کو جن کا یقین

ایمان کمزور تھا، رفتہ رفتہ اپنے خلوص اور دلائل سے ہم خیال بنالیا۔

قوم نے اب آپ کو سب سے بڑا اعزاز دے کر مسلم لیگ کا مستقل صدر منتخب کر لیا تھا۔ اس لئے کام کی ذمہ داریاں اس قدر بڑھ گئیں کہ آپ نے اپنی وکالت ترک کر کے سارا وقت پاکستان کے لئے وقف کر دیا۔

آزمائش

اگست ۱۹۴۰ء میں حکومتِ برطانیہ نے اعلان کیا کہ جنگ کے ختم ہوتے ہی وہ ہندوستان کی سیاسی گتھی کا کوئی ایسا حل تلاش کرے گی جو ملک کی ہر جماعت کے لئے قابلِ قبول ہو چنانچہ اُس نے اپنے ایک بڑے بااثر وزیر سر سٹیفورڈ کرپس کو ہندوستان بھیجا تاکہ ملک کی مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں سے مل کر آزادی کے اختیارات منتقل کرنے کا کوئی حل تلاش کریں - آخر طویل گفت و شنید کے بعد مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ مملکت کا

حق تسلیم کر لیا گیا - قائد اعظم نے اپنے بے مثل تدبر اور بے پناہ دلائل سے جس طرح انگریزی اور ہندوستانی سیاست کے شاطروں کی چالوں کا تن تنہا مقابلہ کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے - آخر یہ طے پایا کہ پاکستان کے قیام کا فیصلہ خود مسلمان عوام کریں گے، اور اس کے لئے سارے ملک میں رائے شماری کی جائے گی -

اس تجویز کے مطابق جنوری ۱۹۴۷ء میں مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے اور مسلم لیگ نے ہر جگہ قائد اعظم کی قیادت میں اس قدر شاندار کامیابی حاصل کی کہ دنیا دنگ رہ گئی۔ مسلم لیگ نے مرکز میں سو فیصد نشستیں حاصل کیں اور ۴۹۲ صوبائی نشستوں میں سے ۴۲۷ پر قبضہ کر لیا - یہ کامیابی اس لئے حیرت انگیز تھی کہ مسلم لیگ کے مقابلہ پر میدان میں کانگریس، جمعیۃ العلماء، احرار، یونینسٹ پارٹی، پرجا پارٹی کے علاوہ بیسیوں جماعتیں تھیں - مگر پھر بھی مسلم لیگ اپنی اس آزمائش میں پوری طرح کامیاب رہی چنانچہ انتخابات کے اس نتیجہ نے حکومت برطانیہ کو مجبور کر دیا کہ وہ مکمل آزادی کے اختیارات سونپنے کے طریقۂ کار پر پھر ملک کے

مختلف نمائندوں سے گفت وشنید کرے۔

اس مقصد کے لئے اپریل ۱۹۴۶ء میں برطانیہ نے اپنا ایک وزارتی مشن ہندوستان بھیجا جس نے پہلے دہلی اور پھر شملہ میں ہندوستان کے مختلف رہنماؤں سے بات چیت شروع کی۔ لیکن ہندو لیڈروں کی ہٹ دھرمی سے پندرہ ماہ تک کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ آخر لارڈ مونٹ بیٹن کو ہندوستان کا وائسرائے بنا کر بھیجا گیا اور اُنھوں نے ۳ جون ۱۹۴۷ء کو اپنی تجویز پیش کی جسے دونوں قوموں کے لیڈروں نے تسلیم کر لیا اور اسی تجویز کی رُو سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دُنیا کے نقشے پر پاکستان جیسی عظیم خود مختار مسلم مملکت عالمِ وجود میں آئی۔ ہندوؤں نے جب دیکھا کہ آخری مرتبہ بھی اُن کی کوئی پیش نہیں گئی تو اُنھوں نے سکھوں کی مدد سے ملک میں فتنہ فساد کی آگ بھڑکا دی، جس سے لاکھوں کی تعداد میں نہتے مسلمان ان کے وحشیانہ مظالم کا شکار بن گئے۔

قوم کا معمار

قائد اعظم پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۷۱ برس تھی۔ اِس ضعیف العمری کے باوجود آپ کو ایک نئی مملکت کی عظیم ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر اُٹھانا پڑیں۔ ایک طرف: قوم کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں تھی تو دوسری طرف ملک کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت میں آپ کو حکومت کے سارے فرائض انجام دینے پڑتے تھے۔ آپ دن رات اس فکر میں رہتے کہ پاکستان کو جلد سے جلد دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں

کی صف میں کھڑا کریں اور اس کے لئے آپ کو پوری ذہنی طاقتیں اور جسمانی قوتیں صرف کرنی پڑیں۔ حکومت کا ہر چھوٹا بڑا معاملہ آپ کی نظر سے گزرتا تھا اور ہر پیچیدگی کو آپ اپنے غور و فکر سے سلجھایا کرتے آپ کی راتیں جاگ جاگ کر کام میں گزر جاتیں اور دن فائلوں کے انباروں کے مطالعے میں بسر ہو جاتے پھر آپ کو دنیا کے مختلف ملکوں کے سفیروں اور سیاسی نمائندوں سے ملاقات کرنی پڑتی۔ اپنے وزیروں کو مشورے دینے پڑتے۔ قوم کی بہتری اور امن و خوشحالی کے لئے منصوبے بنانے پڑتے۔ پھر جب آپ کو ذرا فراغت ملتی تو آپ بلوچستان، سرحد، پنجاب، سندھ اور مشرقی بنگال کے دورے کرتے۔ جلسوں میں شریک ہوتے، تقریریں فرماتے لوگوں کی ہمت بندھاتے اور ہر مقام پر کاروبارِ حکومت کی پڑتال کرتے۔

اس لگاتار محنت نے آپ کی صحت پر بہت برا اثر ڈالا جس سے کئی بیماریوں نے آپ کے نحیف جسم پر غلبہ پا لیا۔ آخر جب آپ بہت علیل ہو گئے تو ڈاکٹروں کے مشورے سے مجبور ہو کر آپ کو کراچی چھوڑ کر زیارت جانا پڑا۔ لیکن پاکستان کی محبت نے آپ کو وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور آپ ۲۹ جون ۱۹۴۸ء کو اسٹیٹ بنک آف پاکستان

کے افتتاح کے لئے کراچی تشریف لے آئے۔ ۴ جولائی کو پھر زیارت واپسی ہوئی۔ یہاں آپ کی صحت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی لیکن پھر بیمار پڑ گئے۔ جب طبیعت ذرا اچھی ہوتی تو پھر پاکستان کے سرکاری کاموں میں لگ جاتے۔ کراچی سے وزراء اور دوسرے عہدہ دار آتے اور آپ سے ہدایات لے کر چلے جاتے۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہو جاتی تو مجبوراً لیٹ جاتے اور لیٹے لیٹے بھی مظلوم مہاجرین اور کشمیر کے مسائل پر سوچتے رہتے۔ اس کے بعد اچانک حالت خراب ہو گئی۔ ۱۱ ستمبر کو اسی حالت میں بذریعہ ہوائی جہاز کراچی آئے اور ہوائی اڈہ پر اُترتے ہی بیہوش ہو گئے۔ پھر اسی بیہوشی کے عالم میں رات کو دس بج کر ۲۵ منٹ پر اللہ کو پیارے ہو گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون ٥

خدا نے جس قوم کی نجات کے لئے پیدا کیا تھا اسی کی خدمت میں اپنی جان سپرد کر دی۔

آخری سفر

اللہ تعالیٰ نے قائد اعظم کو جس قدر عظیم زندگی دی تھی اسی قدر عظیم موت بھی دی۔ صبح ساڑھے سات بجے۔ جب ریڈیو پاکستان نے آپ کی رحلت کی روح فرسا خبر نشر کی تو لوگوں پر غم و الم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کے سیلاب بہنے لگے اور اکثر لوگ تو یہ یقین ہی نہ کر سکتے تھے کہ قائد اعظمؒ اس قدر جلد اپنی قوم سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جائیں گے۔ چنانچہ جیسے جیسے اس وحشتناک خبر

کی تصدیق ہو تی گئی سارے پاکستان اور عالم اسلام میں رنج و
ملال کی تاریک گھٹائیں چھا تی گئیں۔ لوگ اپنے کاروبار
چھوڑ کر باہر نکل آئے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر دہاڑیں
مار مار کر رونے لگے۔ کراچی میں شہر سے گورنر جنرل ہاؤس
کو جانے والی ساری سڑکوں پر سوگوار لوگوں کی قطاریں لگ
گئیں اور ان قطاروں میں بچے بھی تھے اور بوڑھے بھی۔ مرد
بھی تھے اور عورتیں بھی۔ اور یہ سب آنسوؤں کے موتی نچھاور
کرتے اپنے باپ کے آخری دیدار کے لئے' اس طرف بڑھ
رہے تھے' جہاں وہ اپنی قوم کے حال سے بے خبر ابدی نیند
سو رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں گورنمنٹ ہاؤس کے وسیع و عریض
میدانوں کا چپہ چپہ اشکبار لوگوں کے ہجوم سے اٹ گیا۔
پاکستان کی حکومت کے مرکزی وزیر، غیر ملکی حکومتوں کے
سفیر اور بڑے بڑے آدمی یکے بعد دیگرے آ رہے تھے۔ اور
پاکستان کی سب سے بڑی شخصیت اور عالم اسلام کے سب سے

بڑے انسان کے حضور میں اپنے غم کا خراج پیش کر رہے تھے۔ چنانچہ دو لاکھ انسانوں نے اپنی ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے آپ کے کھلے ہوئے چہرے کی زیارت کی۔ ہر شخص ایسا محسوس کرتا تھا۔ جیسے آپ کام سے تھک کر سو گئے ہیں اور ابھی اُٹھ کر پھر کاموں میں لگ جائیں گے۔

دن کے تین بجے آپ کا جنازہ اُٹھا اور لیاقت علی خان سر ظفر اللہ خان، سردار عبدالرب نشترؔ، پیرزادہ عبدالستار اور مولانا شبیر احمد عثمانی آپ کی میّت کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر باہر لائے۔ جب آپ کے جنازہ کو توپ گاڑی پر رکھا گیا تو باہر کھڑے ہوئے لاکھوں انسان اپنے قائدِ اعظمؒ کو آخری سفر پر تیار دیکھ کر بچّوں کی طرح بلک بلک کر رو پڑے اور پھر تین لاکھ آوازوں نے پوری قوت سے "قائدِ اعظم زندہ باد!" کا نعرہ لگایا۔

اب جنازہ اپنی پوری شان و شوکت سے اپنی آخری منزل کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ سب سے آگے پاکستان

کے بحری بیڑے کے سفید پوش سپاہی تھے، پھر ہوائی اور بری فوج کے جوان، ان کے پیچھے پولیس کا ایک دستہ اور ان کے بعد گورنر جنرل کے پُرشکوہ باڈی گارڈ کے سوار۔ جنازے کے دائیں بائیں حکومت کے وزرا اور عین پیچھے دل شکستہ بہن محترمہ فاطمہ جناح اور سب سے آخر میں دو لاکھ آدمیوں کا خاموش ہجوم۔ جب یہ ماتمی جلوس کراچی کی شاہراہوں سے گزرا تو لاکھوں آدمی ڈھائی میل کے اِس راستے کے دونوں طرف سر جھکائے مکانوں کی چھتوں پر، بالاخانوں کی کھڑکیوں میں اور سڑک کے کناروں پر کھڑے تھے اور میدان تک پہنچتے پہنچتے چار لاکھ انسانوں کا ہجوم ہو گیا۔

جب جنازہ اپنی آخری آرام گاہ پر پہنچا تو مزید ایک لاکھ آدمی پہلے ہی سے اپنے محبوب قائد کے آخری استقبال کے لئے کھڑے تھے۔ اُنھوں نے جنازے کو دیکھ کر پھر "قائدِاعظم زندہ باد" کا نعرہ لگایا جس کے جواب میں بہت

سے لوگ چیخ چیخ کر رو پڑے ۔ لوگوں کے دل کسی طرح یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ قائداعظمؒ اُن سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے ہیں ۔

پانچ لاکھ انسانوں نے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی امامت میں نمازِ جنازہ پڑھی اور اس کے بعد مرکزی وزرا، حکومت کے اعلیٰ افسروں اور مصر، عراق، افغانستان، برما، ہندوستان اور انڈونیشیا کے سفیروں کی موجودگی میں چھ بج کر چوبیس منٹ پہ آپ کو لحد میں اُتار دیا گیا ۔

اخلاق و عادات

قائد اعظمؒ خوش پوشی میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ قدرت نے انھیں لباس کے معاملے میں خاص سلیقہ اور اعلیٰ ذوق عطا کر رکھا تھا۔ وہ عمدہ سے عمدہ کپڑا پہنتے بہترین سلائی کراتے، رنگوں کے انتخاب میں موسمی کیفیتوں کا خیال رکھتے۔ نفاست پسندی کا یہ عالم تھا کہ لباس میں ایک زائد شکن تک گوارا نہ کرتے اور اسے ہر روز بدلتے۔ جسامت اور وجاہت ایسی تھی کہ وہ جیسا

لباس بھی پہنتے خوب جچتا۔ انگریزی سوٹ اور شیروانی میں تو بہت ہی شاندار لگتے۔ رنگوں میں سیاہ، گہرا نیلا، براؤن اور کریم رنگ بہت پسند تھے۔ شیروانی کے ساتھ عموماً تنگ پاجامہ یا شلوار پہنا کرتے۔ موسم گرما میں جب کبھی لاہور تشریف لاتے تو انگرکھے کے ساتھ شلوار پہنتے۔ لباس کے ساتھ جوتوں کی موزونیت کا بھی خاص سلیقہ تھا، اسی قرینے سے جرابیں، ٹوپیاں اور ٹائیاں بھی استعمال کرتے۔ ابتدا میں ترکی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ آخری ایام میں صرف قراقلی ٹوپی پہنی جو بعد میں "جناح کیپ" کے نام سے عوام و خواص میں مقبول ہوئی۔

خوراک

قائدِ اعظمؒ کی خوراک بہت سادہ، صحت بخش اور لذیذ ہوا کرتی تھی۔ آپ کی میز پر مشرقی اور مغربی دونوں قسم کے کھانے موجود رہتے۔ خود بہت کم کھاتے لیکن دوسروں کو کھاتے دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ ناشتے میں ٹوسٹ کے ساتھ اُبلے یا تلے ہوئے انڈوں کے شائق تھے۔ کبھی کبھی کافی کے ساتھ تلی ہوئی مچھلی اور بکرے کے پائے پسند فرماتے۔ عصرانہ میں چپاتی یا سادہ چاول کے ساتھ

دال، پلاؤ کے ساتھ گجراتی طرز کے پاپڑ، چوزے کی یخنی، مختلف سبزیاں وغیرہ مرغوب تھیں۔ آخر میں کوئی میٹھی چیز ضرور کھاتے اور وہ بالعموم فیرنی، پھل یا کریم ہوا کرتی۔

دوپہر کے بعد چائے کے ساتھ صرف بسکٹ کھاتے لیکن مہمانوں کی موجودگی میں کیک اور پکوڑے وغیرہ بھی شامل کر لیتے۔ رات کے کھانے میں چپاتی کے ساتھ مختلف سبزیاں، مچھلی، چوزے یا بکرے کا گوشت ہوا کرتا۔ پھلوں میں آپ کو آم اور سیب بہت بھاتے تھے۔ گرمیوں میں اگر آپ دہلی یا لاہور میں ہوتے تو لسی یا سکنجبین سے اپنی پیاس بجھاتے۔

مطالعہ

قائداعظمؒ روزانہ اخباروں کے علاوہ کتابوں کا مطالعہ بھی کرتے تھے۔ آپ کو سیاسی کتب، سوانح عمریوں اور ڈراموں سے خاص شغف تھا۔ زندگی کے آخری برسوں میں جب مصروفیات بہت بڑھ گئی تھیں، آپ قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ کے لئے بھی کچھ وقت ضرور نکال لیتے تھے۔ ہندوستانی سیاسیات پر ہر ملکی اور غیر ملکی کتاب آپ کی نظر سے گزرتی تھی۔ ۱۹۴۵ء میں آپ کی توجہ اورنگ زیبؒ کی سوانح عمری پر مرکوز رہی۔

شگفتہ مزاجی

قائدِ اعظمؒ کی سیاسی سوجھ بوجھ کا تو جواب ہی نہ تھا۔ وہ انگریز اور ہندو کی چالوں کو خوب سمجھتے تھے اور تن تنہا ان کا توڑ سوچ لیتے تھے۔ وہ اتنی جلدی بات کی تہ تک پہنچ جاتے تھے کہ دوسرے منہ دیکھتے رہ جاتے تھے۔ وہ اپنی سیاسی جنگ کا نقشہ بڑے غور و فکر کے بعد مرتّب کرتے اور جب وہ ایک فیصلہ پر پہنچ جاتے تو اس سے انھیں ہٹانا بہت مشکل ہوتا تھا۔ ان کی سیرت کا سب سے اہم پہلو

ان کی آئین پسندی تھا۔ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے انھیں ڈکٹیٹر کہنا شروع کر دیا تھا مگر اُنھوں نے کسی ایک موقع پر بھی من مانی کارروائی نہیں کی۔ کونسل کی تائید اُنھیں ہمیشہ حاصل ہوتی تھی وہ اپنا پورا مقدمہ دوسروں کے سامنے رکھ دیتے اپنے دلائل پر جمے رہتے اور دوسروں کو اظہار خیال کا موقع دیتے، لوگ ان سے والہانہ محبت کرتے، بے پناہ عقیدت رکھتے اور ان کی رائے کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیتے تھے۔

ایک دوست کی حیثیت سے قائد اعظم رحبے حد شگفتہ اور پُر لطف تھے بلکہ سچ پوچھئے تو ان کی نجی زندگی کا ایک لمحہ بھی شگفتگی اور مزاح سے خالی نہ تھا۔ اپنے مخصوص بے تکلف دوستوں کے حلقے میں وہ عموماً بے تکلفی کا اظہار کرتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ ان کے قیمتی مشاغل اس بات کی اجازت ہی نہ دیتے تھے کہ وہ اپنے قریبی دوستوں کو بھی کچھ وقت دے سکیں۔ ان کی قومی زندگی اور اس زندگی کی شدید ذمہ داریوں نے باقی ساری چیزوں پر اس درجہ غلبہ پالیا تھا کہ ان کی زندگی

کا بہت کم وقت ان کا اپنا وقت رہ گیا تھا۔ کھانے یا چائے کے وقت اپنے گرد و پیش بیٹھنے والوں سے تبسم آمیز گفتگو کے دو ایک جملے بس یہی ان کی زندگی کا تفریحی سرمایہ تھا۔

مسٹر محمود حسن جو کسی زمانے میں مدراس کے ہفتہ وار اخبار "دکن ٹائمز" کے ایڈیٹر اور بعد میں "ڈان" کے پہلے منیجر تھے، ایک دن قائداعظمؒ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ قائداعظمؒ نے حسب معمول بہت تھوڑا کھانا کھایا۔ مسٹر محمود جو اب تک کھانے میں مصروف تھے کچھ خفت سی محسوس کرنے لگے۔ انھوں نے قائداعظمؒ سے کہا کہ آپ نے تو کچھ کھایا ہی نہیں۔ قائداعظم نے جواب دیا:

"دنیا والے اسی لئے تکلیفوں میں مبتلا ہیں کہ وہ کھاتے بہت ہیں۔"

انگلستان میں ایک مرتبہ ایک خاتون نے پوچھا:

"ہندوستان کے دو رہنماؤں یعنی سیواجی اور اورنگ زیب میں سے آپ کس کی اولاد ہیں؟" — قائداعظمؒ نے جواب دیا:

"محترمہ دونوں کی"

ایک دن قائدِ اعظمؒ کار کے ذریعہ میسور سے کہیں جا رہے تھے۔ ان کے سیکرٹری مطلوب حسین سید اور مس فاطمہ جناح بھی ساتھ تھیں۔ کوئی اسّی میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ موٹر آہستہ آہستہ چل رہی تھی اس لئے سفر میں کئی گھنٹے لگ گئے۔ راستے میں قائداعظمؒ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ موٹر سے اُتر کر ذرا ٹانگیں سیدھی کر لیں اور چائے کی ایک پیالی پی لیں۔ پاس ہی ایک ریلوے سٹیشن تھا۔ سب اُتر کر وہاں پہنچے۔ مس جناح تو چائے کے انتظامات میں مصروف ہو گئیں اور قائداعظمؒ نے پلیٹ فارم پر ٹہلنا شروع کر دیا۔ وہ ٹہلتے جاتے اور اپنے سیکرٹری سے باتیں کرتے جاتے۔ اس دوران لوگوں نے قائداعظمؒ کو پہچان لیا اور سٹیشن پہ ایک ہلچل سی مچ گئی۔ سیکرٹری نے قائداعظمؒ کو اس طرف متوجہ کیا تو ہنس کر فرمایا:

"یہ چائے کا اُبال ہے ابھی ختم ہو جائے گا"

کیبنٹ مشن پلان کے بعد قائداعظمؒ لندن تشریف لے

گئے تو ایک دن وہ پریس کے نمائندوں کو یہ بتا رہے تھے کہ کس طرح کانگریس کی پالیسی نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا۔ گفتگو کے دوران ہی کسی نمائندے نے کہا:

"لیکن جناب! آپ بھی تو کبھی کانگریس میں تھے۔"

قائداعظمؒ نے فوراً جواب دیا:

"ہاں۔ لیکن جب میں بچہ تھا تو ابتدائی مدرسہ میں بھی پڑھتا تھا۔"

ایک مرتبہ قائداعظمؒ موٹر میں سفر کر رہے تھے۔ راستے میں ایک گاؤں پڑا۔ بہت سے مداح اور مشتاق ان کے خیر مقدم کو جمع ہو گئے۔ مشتاق ہجوم نے قائداعظمؒ کو موٹر سے باہر آنے کی درخواست کی۔ قائداعظمؒ باہر آئے تو ان کے گلے میں ہار ڈالے گئے اور قومی کاموں کے لئے روپوں کی تھیلی ان کی نذر کی گئی۔ اس کے ساتھ مسلم لیگ زندہ باد۔ پاکستان زندہ باد کے نعرے بھی جاری رہے۔ نعرہ لگانے والوں میں دس سال کا ایک بچہ بھی تھا۔ قائداعظمؒ نے انگلی کے اشارے سے

اُسے اپنے قریب بلایا اور پوچھا :

"تم پاکستان زندہ باد کہہ رہے ہو، پاکستان کا مطلب بھی سمجھتے ہو؟"

بچہ نے جواب دیا۔ "بے شک! مجھے پاکستان کے بارے میں اتنا تو نہیں معلوم جتنا آپ کو، لیکن صرف اتنا جانتا ہوں کہ پاکستان کے معنی یہ ہیں کہ ہندوستان کے جن حصّوں میں مسلمان زیادہ ہیں حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو اور جہاں ہندو زیادہ ہیں حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہو۔"

قائدِ اعظمؒ اس معصوم بچّے کے جواب سے مطمئن ہو گئے شفقت سے اس کی پیٹھ ٹھونکی اور اسے رخصت کیا۔ لیکن یہ چھوٹا سا واقعہ انھیں ہمیشہ یاد رہا اور وہ اسی واقعے کے حوالے سے ہمیشہ یہ کہا کرتے تھے کہ پروپاگنڈے کے سازوسامان کی کمی کے باوجود ان کی آواز ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی ہے۔"

مشاغل

قائد اعظمؒ نے اپنی زندگی میں بیرونِ خانہ میدانی کھیلوں میں بہت کم حصّہ لیا۔ شام کو جب دن بھر کی مصروفیات سے فراغت ملتی تو آپ بمبئی میں ہوتے یا دہلی میں، اپنے پائیں باغ میں چہل قدمی فرمایا کرتے۔ زیادہ جی چاہتا تو موٹر لے کر سمندر کے کنارے ہوا خوری کے لئے نکل جاتے۔ شروع شروع میں آپ کو گھوڑ دوڑ کا بھی شوق رہا لیکن پھر کنارہ کش ہو گئے۔ تھئیٹر اور فلم بینی کے بھی شائق تھے۔ پاکستان کے

گورنر جنرل مقرر ہونے کے بعد کبھی کبھی گاف کھیل لیا کرتے تھے۔ عمر کا بیشتر حصہ سیاسی معرکہ آرائیوں میں صرف ہو گیا اس لئے تفریحی مشاغل کی گنجائش ہی نہ نکل سکی۔

وہ فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے کے عادی نہ تھے۔ ان سے ملنے کے لئے، سبھی طرح کے لوگ آتے تھے۔ ان میں نواب اور راجے بھی ہوتے تھے اور غریب دیہاتی بھی، جو دور دراز علاقوں سے محض اس لئے چل کر آتے تھے کہ اپنے محبوب قائد کی ایک جھلک دیکھ پائیں۔ قائد اعظمؒ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب تک آپ سے ملاقات کا وقت متعین نہ ہو جاتا کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی آپ سے ملنے کی اجازت نہ ہوتی۔ لیکن ایسا بھی ہوتا کہ فرصت کے اوقات میں کسی منتظر اجنبی سے وقت مقرّر کئے بغیر بھی مل لیتے۔ صرف مطلب کی بات اور وہ بھی انتہائی اختصار کے ساتھ سُننے اور کرنے کی عادت تھی۔

قائد اعظمؒ اپنے ملازمین کے کردار و اطوار کا بھی بہت خیال رکھتے تھے جس طرح ان کو تن کے میل سے نفرت تھی اسی طرح وہ

تن کے میل سے بھی متنفر تھے۔ ایک بزرگ نے اُن کی زندگی کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:

"ہر مسلمان بچہ پیدا ہوتے ہی اذان سُنتا ہے۔ محمد علی جناحؒ نے وہ اذان کراچی میں سُنی۔ برسوں اس پیدائشی خزانے کا راز لوگوں پہ نہ کھلا۔ جوانی میں یہ بچہ انگریزی لباس اور بود و باش کے ساتھ کانگریس کا دلدادہ رہا مگر نہ کانگریس اس خزانہ کو لوٹ سکی نہ انگریز۔ آخر وقت آیا اور محمد علی جناحؒ — قائدِاعظم بن کر آسمانِ سیاست پر چمکا۔ وہ اللہ اکبر کا نعرہ جو اُس نے یومِ ولادت سُنا تھا اُس نے اپنی زبان سے ایسے مبارک وقت نکالا کہ قوم نے یک جان ہو کر اسے دہرایا۔ گاؤں میں، شہروں میں، میدانوں میں محمد علی جناحؒ کے طفیل فتحمندی کا یہ نعرہ آسمان تک گونجا۔

" دنیا کی تاریخ میں بہت کم انسان فخر کرسکتے ہیں کہ وہ ذاتی کوشش سے ایک نئے مُلک کے بانی بنے ہوں۔ قائدِاعظمؒ ایسی حالت میں بانی بنا جب ایک دنیا اس کے خلاف تھی مگر

وہ حوصلہ مند مجاہد یکہ و تنہا اپنے مقام سے نہ ٹلا۔ تنہا لڑا اور جیت کر رہا۔

کراچی کے سر پہ یہ لازوال تاج رکھا ہوا ہے۔ محمد علی جناحؒ اس سرزمین سے پیدا ہوا اور کراچی کو پاکستان کا دارالخلافہ بنا کر یہیں آرام سے سو گیا۔ قائداعظمؒ کی یاد ہر پاکستانی کے دل میں زندہ ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

قائدِ اعظمؒ کی میراث

سب سے بڑی یادگار جو قائدِ اعظمؒ ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں، وہ مملکتِ خداداد پاکستان ہے جس کی ترقی، استحکام اور حفاظت اب ہم سب پر فرض ہے وہ جب تک زندہ رہے مُلک کے چپے چپے میں پھر کر لوگوں کو تلقین کرتے رہے کہ اتحاد، ایمان اور تنظیم کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہیں۔ یہی اصول آج بھی ہمارے لئے کارآمد اور مفید ہیں۔ قائدِ اعظمؒ چاہتے تھے کہ پاکستان میں اسلامی جمہوریت قائم ہو۔

اُنھوں نے ۱۴ فروری ۱۹۴۸ء کو سبّی دربار میں فرمایا:

"میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اِس سنہری اصولوں والے ضابطۂ حیات پر عمل کرنا ہے جو ہمارے عظیم واضع قانون پیغمبرؐ اسلام نے ہمارے لئے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچّے اسلامی اصولوں اور نظریوں پر رکھنی چاہئیں۔ اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ "مملکت کے امور و مسائل کے بارے میں فیصلے مشوروں اور باہمی بحث و تمحیص سے کیا کرو۔"

انہی دنوں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے لوگوں کے نام ایک پیغام میں فرمایا:

"جمہوریت کا سبق ہم نے اسلام اور اُس کے نظریات سے سیکھا ہے۔ اسلام نے

ہمیں مساوات، انصاف اور ہر ایک سے رواداری کا درس دیا ہے۔ ہم ان عظیم الشان روایات کے وارث اور امین ہیں، اور پاکستان کے آئندہ دستور کے معماروں کی حیثیت سے ہم اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے بخوبی آگاہ ہیں۔"

قائداعظمؒ اسلام ہی کو پاکستان میں قومیت کی بنیاد سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ پاکستان کے مسلمان مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جغرافیائی اعتبار سے غیر متصل علاقوں میں رہتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ قومی اتحاد اور استحکام کی خاطر چاہتے تھے کہ علاقوں، صوبوں، فرقوں اور قبیلوں کے سب بت توڑ دینے چاہئیں۔ اُنھوں نے ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ کے عظیم الشان جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"جب تک آپ اپنے سیاسی ڈھانچے سے اس

صوبائیت کے زہر کو نکال نہیں پھینکیں گے، آپ کبھی ایک سچی حقیقی قوم کے سانچے میں نہ ڈھل سکیں گے، آپ متحد و متفق نہ ہو سکیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ میں مانتا ہوں کہ یہ اپنی جگہ وحدتیں ہیں، لیکن کیا آپ وہ سبق بھول گئے، جو تیرہ سو سال پہلے آپ کو سکھایا گیا تھا؟ میں آپ پہ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہاں آپ سب باہر سے آئے ہوئے ہیں۔ بنگال کے اصل باشندے کون تھے؟ وہ ہرگز نہیں جو آج بنگال میں رہتے ہیں۔ پس یہ کہنے سے آخر کیا فائدہ ہے کہ ہم پنجابی ہیں یا سندھی ہیں یا پٹھان ہیں؟ نہیں ہم مسلمان ہیں۔ اسلام نے ہمیں یہی سبق دیا ہے اور آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ خواہ کچھ بھی ہوں اور خواہ

کہیں بھی ہوں، آپ اوّل و آخر مسلمان ہیں۔ اب آپ ایک باقاعدہ قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب آپ نے اپنے لئے ایک علاقہ — وسیع علاقہ حاصل کر لیا ہے۔ یہ سب آپ کی سرزمین ہے — پاکستان پنجابیوں کا ہے نہ سندھیوں کا۔ پٹھانوں کا ہے نہ بنگالیوں کا۔ یہ آپ کا ہے۔ آپ کی اپنی مرکزی حکومت ہے، جس میں ان جغرافیائی وحدتوں کو نمائندگی حاصل ہے۔ اِس لئے اگر آپ خود کو ایک عظیم قوم کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں تو خدا کے لئے اِس صوبائی عصبیت کو فوراً ترک کر دیجئے۔ صوبائی عصبیت ایک لعنت ہے۔ اسی طرح فرقہ واری بھی، یعنی شیعہ سُنّی وغیرہ۔"

اِسی مقصد کے حصُول کے لئے قائدِ اعظمؒ چاہتے تھے کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہونی چاہئے۔ ڈھاکہ کے اسی جلسہ میں آپ نے اعلان کیا:

"یہ اس صوبے کے لوگوں ہی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ اس صوبے (مشرقی پاکستان) کی زبان کیا ہوگی۔ لیکن میں آپ واضح طور پہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی اور صرف اُردو۔ جو کوئی آپ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دشمن ہے۔ ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی کارنمایاں انجام دے سکتی ہے۔"

قائدِ اعظم رح کی یہ میراث انتہائی بیش قیمت اور تعظیم کے قابل ہے۔ اب یہ ان وارثوں کا کام ہے کہ وہ اس دولت کی قدر کریں۔ ان کے اصولوں اور نظریوں کے نہایت قیمتی سرمائے سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں اور ذاتی اور اجتماعی زندگی کے ہر مسئلے میں ان کی نصیحتوں پہ عمل کر کے ان کی یادگار کو زندہ رکھیں۔ قائدِ اعظم زندہ باد۔

قومی زندگی اور ملت بیضا
پر ایک عمرانی نظر

علامہ اقبال

اس کتابچے میں پیش کئے جانے والے علامہ اقبال کے دونوں مضمون قومی زندگی اور ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر آج سے ساٹھ سال پہلے اس وقت کے حالات کی اصلاح کے لئے لکھے گئے تھے —— مگر یہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہیں اور ہماری رہنمائی کے لئے دعوت کا وہی فرض انجام دے رہے ہیں جو اس وقت پیش نظر تھا۔

قیمت: دو روپے پچاس پیسے

ناشران
آئینۂ ادب، چوک مینار، انار کلی
لاہور

طباعت سرورق رپن پریس لمیٹڈ، لاہور